

ناول ”دشتِ سُوس“ کا موضوعاتی مطالعہ

محمد فرید*

Abstract

Historical novel writing is not an easy job, one must have grip on facts and style that makes an interesting reading. Jamila Hashmi claimed distinction when she wrote the novel Dashat-Soos. It is a novel about the story of Hussain Bin Mansur Hillaj. This novel was first published in 1983. The story of Hussain Bin Mansur Hillaj of Dasht-e-soos is both fascinating and sad. Hillaj an anxious and curious spirit had some questions unanswered. He wanted to reach to God like where there is no Hijab (veil) left, so he indulges himself into such prayers and meditation that were tough and beyond the capacity of normal human beings. They bring to him such awareness which he could not muster and in mystification said something that took him to the woods and was crucified. In this research article different themes and ideas of this novel are critically analyzed.

Key Words: Historical novel writing, facts, grip, distinction, anxious and curious, veil, prayers and meditation, unanswered, mystification, crucified, Analyzed.

تلخیص

تاریخی ناول نگاری کوئی آسان کام نہیں اس کے لیے تاریخی حقائق و واقعات سے آگاہی اور اسے قارئین سے سند قبولیت دلانے کے لیے مہارت درکار ہے۔ جمیلہ ہاشمی نے ”دشتِ سُوس“ تحریر کر کے ادبی سطح پر انفرادیت حاصل کر لی۔ حسین بن منصور حلاج

* لیکچرار شعبہ اُردو، اوپی ایف بوائز کالج ایچ ایٹ فور، اسلام آباد۔

کی زندگی و تعلیمات پر مبنی یہ ناول ۱۹۸۳ء میں منظر عام پر آیا۔ دشتِ سُوس کے حسین بن منصور کی کہانی مسکورکن بھی ہے اور غمگین بھی۔ حسین کی بے چین اور محققانہ روح کے سامنے کئی سوالات حل طلب تھے۔ وہ حق تک منفرد انداز میں پہنچنے کا متمنی تھا جہاں کوئی حجاب باقی نہیں رہتا۔ وہ عبادات و مجاہدات کے اس سفر کا راہی بن گیا جو خواص کے لیے مخصوص ہے۔ ان تجربات نے حسین کے لیے عرفانِ ذات کے وہ دروا کر دیے جن کی بنیاد پر اس نے ”انا الحق“ کا نعرہ بلند کر دیا کہ جس کی تفہیم عوام کے لیے ناممکن تھی اور جس کا انجام حسین کے داریک لے جانے کے بعد مُثلہ ہونے پر ہوا۔ اس ریرچ آرٹیکل میں ناول ”دشتِ سُوس“ کے فکری موضوعات کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

کلیدی الفاظ: تاریخی ناول نگاری، حقائق و واقعات، محققانہ روح، زندگی و تعلیمات، عرفانِ ذات، انا الحق، عبادات و مجاہدات، حجاب، مُثلہ۔

دشتِ سُوس جیلہ ہاشمی کا شاہکار ہے۔ یہ تاریخی ناول ۱۹۸۳ء میں سامنے آیا۔ دشتِ سُوس کی بدولت جیلہ ہاشمی کا ادبی مقام اور اونچا ہو گیا۔ یہ ناول تاریخ اسلامی کے عظیم کردار حسین بن منصور حلاج کی شخصیت اور افکار پر مبنی ہے۔ اس ناول میں تاریخ کے المیہ ہیر و کوادب کا کردار بنا کر نیا اور اچھوتا پن پیدا کر دیا گیا ہے۔ اس ناول میں موجود سوانحی اور داستانی عنصر، روحانی و ذہنی اضطراب اور ما بعد الطبیاتی تجربات کی صداقت کی تلاش اسے اہم ناولوں کی فہرست میں شامل کرتے ہیں۔ جیلہ ہاشمی کے ”دشتِ سُوس“ کے موضوعاتی مطالعے کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔ خود شناسی اور خدا شناسی :

حسین بن منصور حلاج وہ شخصیت ہے کہ جسے معلوم تھا کہ خدا شناسی کی منزل خود شناسی کے راستے سے ہی ممکن ہے۔ ”جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا گویا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا“ کے مصداق اس کی منزل اس کے اندر کی گہرائیوں میں موجود تھی۔ عقل کا

فیصلہ ہے کہ جو چیز جہاں گم ہوئی ہو وہیں سے ملتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس کو خدا کی تلاش کرنی ہو اسے اپنی ذات کی گہرائیوں میں غور و فکر کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ خدا فرد کے دل کے اندر، فرد کے وجود کے اندر، فرد کے ارادوں کے اندر ہے، فرد کے یقین کا جو سرچشمہ ہے وہ اس کے اندر ہوتا ہے۔ اس کے اندر چونکہ تاریکی ہوتی ہے اس لیے کہ ایمان کی روشنی وہاں موجود نہیں ہوتی۔ دل میں ایمان کی مشعل جلا کر ہی فرد خدالم یزل کی تلاش کر سکتا ہے۔ حسین کی شخصیت میں سرتاپا ایک گہرا چاؤ ہے وہ ایک آتش فشاں کی طرح ہے کہ جس میں لاوا ہر وقت ابلتا رہتا ہے لیکن اس کے اندر رون کی یہ آگ بھسم کر دینے والی نہیں ہے بلکہ یہ تطہیر کا ایسا وسیلہ ہے کہ جو اسے چھوٹا ہے بجائے جلنے کے وہ مطہر اور پاک ہو جاتا ہے وہ تحریری خاصیت نہیں بلکہ تعمیری خاصیت رکھتی ہے۔ حسین ایک ایسی دنیا میں رہتا ہے جو خود اس کی تخلیق کی گئی ہے۔

حلاج تلاشِ حق میں بے چین تھا اور وہ اس آئینہ کو اب تک تلاش کرنے میں ناکام رہا تھا کہ جس میں وہ اپنا عکس صاف و شفاف دیکھ سکے۔ اس کی ذات کا سفر انوکھا اور کھٹن تھا وہ اپنی سائیکی کے نہال خانوں میں اتر کر روشنی کے اس عظیم منبع کی تلاش میں تھا کہ جو اس کے محور کی گھٹاؤں میں مخفی تھا۔ وہ سلوک کی منازل بہت تیزی سے طے کر کے اسم اعظم جاننے کا متمنی تھا وہ ”عشق کی اک جست نے طے کر دیا قصہ تمام“ کا قائل تھا۔

اے نور حق مجھ پر ظاہر ہو

اے رب کعبہ مجھ پر منکشف ہوا

حسین ممکنات کی حدود سے نکل کر خالق کائنات کی جستجو پر یقین رکھتا تھا۔ اس کی نظر اسرار سے پرے دیکھنے کی متمنی تھی۔ حضرت محمدؐ کے روزہ مبارک پر وہ کانپنے لگتا اور بے ساختہ کہہ اٹھتا کہ میں کیا ہوں؟ حسین اس حقیقت سے بھی واقف تھا کہ حق تعالیٰ خلق میں پوشیدہ ہے اور وہی ظاہر ہے اور ساری نسبتیں اسی سے ہیں اور وہ بھی تو خلق سے تھا تو بھلا رب اس سے دور کیسے ہو سکتا ہے۔ حسین ہندی سوداگر کو جو اسے کوئی اوتار سمجھ رہا تھا یہ بتاتا ہے کہ ابھی تو وہ خود تلاش کے عمل سے گزر رہا ہے اور بے خبر ہے۔ حسین کے علم میں یہ

بھی تھا کہ ”قد عرف نفس قد عرف ربہ“

”کیا آدمی اپنے نفس کو پہچان سکتا ہے؟ اور اگر اپنے نفس کو نہیں پہچانتا تو رب کو کیسے پہچانے گا۔“ ۲

حسین جب غور و فکر کرتا اور رب تعالیٰ کی عبادت و ریاضت میں وقت صرف کرتا تو یہ بھی دیکھتا کہ لوگ کیسے محض حق تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے پاک صاف نیتوں سے اس کے راستے پر چلتے ہیں۔ وہ بھی اپنی ذات میں اس کی خوشنودی حاصل کرنے کی تڑپ دیکھتا لیکن اس کی طلب، اس کا سوال اور اس کی تمنا شدید تھی گویا عشق حقیقی کی آگ اس کی ذات کے نہال خانوں میں روشن ہو چکی تھی:

”اے ساربان آہستہ چل کہ میری پسلیوں میں آگ ہے۔ وہ اس سے اسے طلب کرنا چاہتا تھا۔

اس لیے اس کے دل میں آگ نہیں الاؤ تھا۔“ ۳

۲۔ فرد کا کٹمنٹ کے لیے استبدادی قوتوں سے ٹکرانا

”دشتِ سُوس“ کے حسین بن منصور حلاج نے فرد کو کٹمنٹ کے لیے استبدادی قوتوں سے ٹکرا جانے کا ہنر سکھا دیا ہے۔ اس نے ثابت کیا ہے کہ خدا کو راضی کرنا نہایت ضروری ہے زمانہ بھلے مخالف ہو اس ذات باری تعالیٰ کی خوشی کو مد نظر رکھ کر حق و سچ کے علم کی بلندی کے لیے مخالف قوتوں سے ٹکرا جانا اور نتائج کی پروا کیے بغیر استقامت سے ڈٹے رہنا ایک مومن کی پہچان ہے۔ راہ حق سے باز رکھنے کے لیے استعماری طاقتوں کی طرف سے دیے گئے بڑے سے بڑے لالچ اور دھمکیوں سے مرعوب ہوئے بغیر صراطِ مستقیم پر چلتے رہنا ہی اس سفر کی معراج ٹھہرتا ہے۔ حامد بن عباس کی طرف سے حسین کو کینروں کی ملکیت کا لالچ دینا، بغداد چھوڑنے کی صورت میں قتل کر دینے کی دھمکی دینا، شغب اور حبشی کی فرار میں مدد دینے کی پیش کش کو قبول نہ کرنا، حامد کو یہ بتانا کہ وہ صرف سیدھا دیکھنے کا عادی ہے اور قید میں اس کا سجدہ شکر ادا کرنا اور یہ کہنا کہ وہ ایسی سینکڑوں زندگیاں قربان

کر سکتا ہے اور اسے یہ قید از حد عزیز ہے۔ فرد کا کمٹمنٹ کے لیے سامراجی طاقتوں سے ٹکرانے کی عمدہ مثالیں ہیں۔ حسین کا عمار سے ہونے والا مکالمہ کہ جس میں حسین کا اس بات کا ادراک کر لینا کہ حامد کی پیاس اس کے خون سے بجھ پائے گی اور خود کو اس کے لیے تیار پانا اپنے ارادہ پر سو فیصد ڈٹے رہنے کو ظاہر کرتا ہے:

”حسین سلاخوں کے قریب آیا۔ بہت دیر تک وہ قاضی ابوعمر کی طرف دیکھتا رہا اور بہت آہستہ سے اس نے کہا:

نہیں۔۔۔ میں صرف منتظر ہوں۔

کس شے کے کس واقعے کے۔ کس روشنی کے“ قاضی نے گھبرا کر پوچھا حامد کی پیاس بجھانے کو۔“ (۴)

ڈاکٹر ممتاز احمد خان اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

”دُشتِ سُوس میں حسین بن منصور حلاج کے تاریخی کردار کی حقیقت پسندانہ عکاسی ناول کی دنیا میں اپنی جگہ بناتا ہے۔ اس ناول میں فرد کا اپنے کمٹمنٹ کی خاطر استبدادی قوت سے ٹکرا کر فنا ہو جانے کی تھیم کو کامیابی سے برتا گیا ہے۔“ ۵

۳۔ نظریہ انسان دوستی

”دُشتِ سُوس“ کا حسین بن منصور نظریہ انسان دوستی کا پرچار کرتا نظر آتا ہے۔ وہ انسانیت کی عظمت سے بخوبی واقف ہے اور ہر ایک سے خلوص و محبت کا رشتہ استوار کرنا چاہتا ہے۔ وہ ’دوستی سب سے اور دشمنی کسی سے بھی نہیں‘ کا علمبردار نظر آتا ہے۔ اس پر مذہب اور تصوف کی چھاپ بھی نظر آتی ہے۔ حسین کے نظریہ انسان دوستی کے بارے میں ڈاکٹر صلاح الدین درویش لکھتے ہیں:

”حسین کا مذہبی نظریہ انسان دوستی۔ انسانی زندگی کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ دنیاوی زندگی کے لیے اعلیٰ اخلاقی تعلیم فراہم کرتا ہے اور بندگی کے ذریعے انسان میں دیگر انسانوں کے لیے محبت، خلوص اور قربانی جیسی اعلیٰ صفات کو پیدا کرنے میں مدد دیتا ہے۔“ ۶

ابو یعقوب اقطع کا حسین کو حامد کے غلام عمار سے محتاط رہنے کا مشورہ اور جواب میں

حسین کا یہ کہنا کہ میں نے ایسا کچھ نہیں کیا جس کی وجہ سے میں اس سے نہ مل سکوں اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ حسین دشمنی یا اختلاف رکھنے کی بجائے دوستی اور تعلق داری کو زیادہ اہمیت دیتا ہے۔ زندان میں عمار سے ہونے والے مکالمے میں حسین کا حامد کی خوشنودی کی خاطر اپنی جان دے کر اس کی پیاس بجھا دینے کا اظہار اس بات کی دلالت کرتا ہے کہ حسین انسانیت کی قدر کرتا ہے اور اس کے لیے اپنی جان بھی دینے سے گریز نہیں کرتا۔ حسین کا اپنے باپ منصور کو کنیز کے انتظار کا بتانا کہ جس کی زندگی کے لیے اسے حامد کی قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنا ہوں گی بھی نظریہ انسان دوستی کا بین ثبوت ہے:

”تم کب روانہ ہو رہے ہو؟ اس نے پوچھا۔

مجھے ایک کنیز کا انتظار ہے جس کی رہائی کے لیے میرا وجود ضروری ہے۔“
 ”دھت سُوس“ کے حسین کا یہ فلسفہ ہے کہ خداوند قدوس مخلوق سے محبت کرتا ہے اور وہ انسانوں کو دوسروں سے محبت و دوستی رکھنے کا حکم دیتا ہے۔ یوں محبت اور دوستی رکھنا رحمن کا کام اور دشمنی اور نفرت پھیلانا شیطان کا کام ہے:

”روح کو علم عطا کیا جاتا ہے اور وہ علم صرف خالق عالم عطا کرتا ہے۔ محبت بھی اللہ ہی کی وجہ سے کی جاتی ہے۔ اس کی نگاہ خدا کی نگاہ۔ اس لیے کہ خدا انہی نگاہوں سے مخلوق کو دیکھتا ہے۔ وہ خود خدائے محبت ہے۔ روح کی نگاہ اس کی نگاہ ہے اور روح کے اشواق اسکا ثبوت ہیں۔ وہ خود ہی محبت بھی ہے اور محبوب بھی محبت کرنے والے میں بھی وہی نگاہ ہے اور معشوق میں بھی وہی کارفرما۔“^۸

۴۔ مذہبی عقائد/اسلامی روایات کا مدلل بیان:

ادب میں انسان سے متعلق جہاں اور دیگر فلسفوں کا تعلق رہا ہے وہاں مذہب بھی ادب کا ایک بڑا حوالہ ہے یہ ایک ایسا حوالہ ہے جو کسی نہ کسی صورت میں فن کار پر اثر انداز رہا ہے اور کہیں نہ کہیں اس پر فن میں ظاہر ہوتا ہے کیونکہ انسان کے بنیادی عقائد کی تشکیل میں مذہب بھرپور کردار ادا کرتا ہے۔

”دھت سُوس“ میں جو مذہبی رجحان ملتا ہے اسے خالص مذہبی رجحان تو نہیں کہا جا

سکتا البتہ اس میں مذہب اور اعتقادات کا اثر بخوبی ملتا ہے۔ ارکان اسلام میں نماز کا درجہ دوسرا ہے اور اعمال میں پہلا۔ نماز نبوت کے گیارہویں برس اور ہجرت سے تقریباً دو سال قبل فرض قرار دی گئی۔ اس کی فرضیت کا حکم شب معراج الامکاں میں محبت اور محبوب، عبد اور معبود کی ملاقات کے وقت ہوا۔ قرآن میں نماز کی ادائیگی کے لیے بار بار حکم ملتا ہے۔ ”دشّتِ سُوس“ کے چند اقتباسات جن میں جیلہ ہاشمی نے نماز کی اہمیت کو واضح کیا ہے :

”نماز رسول پاکؐ کو بہت پسند تھی نماز ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک تھی۔“ ۹

اذان، نماز اور خدا لم یزل کی بندگی کے حوالے سے جیلہ ہاشمی لکھتی ہیں:

”پھر صبح کی اذان کے لیے موذن سیٹھی پر چڑھا، مینار کی انتہائی بلندیوں تک پہنچا اور اس نے لوگوں کو نیند سے بیدار کرنے کے لیے انہیں جنت کی بشارت دی۔ انہیں بتایا کہ نماز نیند سے افضل ہے خدا کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس نے گواہی دی کہ وہی آقا ہے اور اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ وہی ہر طرف شش جہات سے آئینہ اور آئینوں کے مقابل پر تو بھی، خود پر تو میں منعکس بھی خود اپنی عظمت پر آپ گواہی دینے والا، کیونکہ اس کی گواہی دینے والا بھلا کون ہو سکتا ہے؟ اسے جاننے والا کون ہو سکتا ہے؟ وہ تخلیق کرنے والا خالق بھی خود اور مخلوق کی جانوں کا امین بھی خود۔ روحوں کو پیدا کرنے والا بھی اور روحوں کے جواب ”الست برکم“ سننے والا بھی۔“ ۱۰

روزہ بھی ایک اہم بدنی عبادت ہے۔ یہ دو ہجری میں فرض ہوا یہ ایک ایسی عبادت ہے کہ جس کے اجر کا اندازہ صرف خدا بزرگ و برتر ہے۔ ماہ رمضان رحمتوں اور برکتوں والا مہینہ ہے جس کا پہلا عشرہ رحمت، دوسرا مغفرت اور تیسرا جہنم سے نجات کا ہے۔ ناول ”دشّتِ سُوس“ میں مصنفہ نے اس کی اہمیت کو بھی واضح طور پر بیان کیا ہے:

”رمضان المبارک کی شب بیداریاں اور عبادات، خانقاہ میں ہجوم عاشقان اور ذکر و فکر کی محفلوں میں شوریدہ سرلوگوں کا حلقہ۔ وہ رونق بھری راتیں جب شقی و سعید سب خدا کے خوف اور خلق کی شرم سے آباد مسجدوں میں قیام کرتے دیوانے اور دیوانے ہوتے۔ سرشاری اور محبت کی راتیں بے خودی اور سرور کی نغمہ صبح گاہی سے ملتا ہوا نالہ نیم شمی۔ سحر کی خبر لاتی ہوئی شبیں اور شب کی سیاہی کو چاک کرتی ہوئی اذانیں۔“ ۱۱

جج بھی ایک اہم بدنی اور مالی عبادت ہے یہ آٹھ ہجری میں فرض ہوا۔ یہ ہر

صاحب استطاعت عاقل و بالغ مسلمان پر فرض ہے۔
 ”دشتِ سوس“ میں اس حوالے سے جملہ ہاشمی لکھتی ہیں:
 ”وہ سب خاص لوگ ہوتے جو سر جھکائے اپنی روحوں کو لیک کر کہتے سنتے۔ حاضر جان و دل حاضر روح ایمان حاضر۔ اللہ ہم تیرے حضور حاضر ہونے والے ہیں۔ تیرے لیے تیری خوشنودی کے لیے تیری راہ پر حاضر ہیں۔ جب حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ خانہ کعبہ تعمیر کر رہے تھے تو ان کی دعا یہی تھی کہ اس جگہ کو مرکز بنا۔ اے اللہ یہ تیرا گھر ہے اسکی مضبوطی اس کی خوبصورتی صرف تو ہے۔ اے مالک الملک تو ہے۔“ ۱۲
 دعا کو عبادت کا مغز کہا گیا ہے۔ مصنفہ اس سلسلے میں رقم طراز ہیں:
 ”تمہیں دعائیں تو یقین ہوگا؟ اس نے پوچھا۔ پھر حسین نے کہا۔ ہر دکھ اور مصیبت سے صرف دعا ہی بچا سکتی ہے۔ منجم نے مختصراً کہا۔“ ۱۳
 آیت الکرسی میں خدا کو اونگھ نہ آنے کا ذکر ہے جس کا ذکر ناول میں بھی موجود ہے:
 ”جو جاگتا ہے، اسے نیند آ جاتی ہے۔ کون زندہ جاوید ہے سوائے اس کے جسے نہ نیند ہے اور نہ اونگھ۔“ ۱۴
 اسلام ایک ایسا ضابطہ حیات ہے جو کسی سے دریافت نہیں کرتا کہ وہ کس ملک کا باشندہ ہے اور کس قبیلے سے تعلق رکھتا ہے۔ وہ کالے رنگ کا ہے یا گورے رنگ کا بلکہ جس کسی نے کلمہ توحید میں پناہ لی وہ ایک قوم ہو گیا۔ وہ تمام مسلمانوں کو ایک لڑی میں پرو دیتا ہے اور انہیں زندگی کا سلیقہ سکھا کر دنیا و آخرت میں سرخرو ہونے کا موقع عطا کرتا ہے:
 ”ایک بہتر نظام حیات جس میں حسن ترتیب کے ساتھ آدمی کے اندر اندھیروں کو روشنی نصیب ہو۔ انسان کی ممکنات، حد ادراک اور خود بارگاہوں تک اس ذرہ خاک کی رسائی یقیناً ایسی منزلیں ہیں جن کا اس سے پہلے کی زندگی میں مجھے تجربہ نہ تھا۔ یہ تکمیل اس سے پہلے میں نے کہیں نہیں دیکھی۔“ منصور نے بات ختم کی۔“ ۱۵
 کائنات کا حضورؐ کے نور سے وجود میں آنا کہ جو حضرت آدمؑ کی پیشانی میں جھلکتا تھا جس کا انکار ابلیس نے کیا اور راندہ درگاہ ہوا اسلامی عقائد کی اہم جہتیں ہیں کہ جن کا ذکر ناول میں مصنفہ نے کچھ اس طرح کیا ہے:

”وہ وجود کائنات تھے۔ عرش سے پہلے اللہ نے انہیں تخلیق کیا۔ اس نور کو اور پھر آفتابوں اور ستاروں کو اور دنیا کو اور آخر میں آدم کو اور وہ نور آدم کی پیشانی میں جگمگاتا تھا اور شیطان تھا جس نے انکار کیا تھا۔ اس نے آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کیا تھا۔ گویا اس نور کو جو اس کی پیشانی میں رکھا گیا تھا وہ پہچان نہیں پایا تھا۔“ ۱۶

آب زم زم حضرت اسماعیل کا معجزہ ہے یہ آب رواں قیامت تک خشک نہیں ہوگا۔ دشتِ سُوس میں مصنفہ نے اس پاک پانی کی اہمیت کا ذکر یوں کیا ہے:

”اس کی پیاسی روح کو آب زم زم کی طرف پلٹنا تھا جس کی تعریف میں رسول پاکؐ نے فرمایا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس کے نقشہ کاموں کو اس سے سیراب کرے۔ اس کے پینے سے رنج و تعب زائل ہو جاتا ہے۔ فرحت و راحت پیدا ہوتی ہے۔“ ۱۷

واقعہ کربلا ۶۱ ہجری میں رونما ہوا۔ اس درد ناک سانحے نے پوری انسانیت کو لرزہ بر اندام کر دیا۔ حضرت امام حسینؑ نے اپنے ۷۲ ساتھیوں کے ساتھ جام شہادت نوش کر کے دین اسلام کو مقام بلند سے سرفراز کیا۔ مصنفہ اس کا ذکر کچھ اس طرح کرتی ہیں:

”حسین ابن علی کی معاونت کے لیے کون پہنچا تھا؟ صحرا کی تند و ظالم آندھیاں، پانی جو سامنے تھا، مگر سراب تھا کہ ان پر بند کر دیا گیا تھا اور وہ خلیفہ وقت کا تمنغہ امتیاز اپنے سینے پر بجائے پھرتا تھا۔“ ۱۸

خدا کی وحدانیت کے بارے میں جمیلہ ہاشمی نے حضرت موسیٰ کا وہ واقعہ بھی بتایا کہ جب موسیٰ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کے لیے اصرار کیا تھا لیکن وہ رب کے نور کی تاب نہ لاسکے تھے۔ وہ لکھتی ہیں:

”حضرت موسیٰ نے جب خدا سے مکالمہ بہت کیا تو انہیں دوست کو دیکھنے کی خواہش ہوئی انہوں نے کہا رب ارئی۔ اے میرے رب میں تجھے دیکھنا چاہتا ہوں اور خدا نے کہا تم میرا جلوہ دیکھ نہیں سکو گے۔ موسیٰ پھر بھی بضد رہے۔“ ۱۹

۵۔ ماحول کے انسانی شخصیت پر اثرات

ناول ”دشتِ سُوس“ کی مصنفہ جمیلہ ہاشمی کے مطابق ماحول انسانی شخصیت کو متاثر کرتا ہے۔ فرد ارد گرد کے ماحول سے غیر ارادی طور پر اثر قبول کرتا ہے بالآخر وہ اثرات اس کی شخصیت کا جزو بن جاتے ہیں۔ اس کے ارد گرد کی اشیا اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ

اس پر اپنا نقش چھوڑتی چلی جاتی ہیں ناول میں آگ کے انسانی شخصیت پر اثرات پر مباحث ملتے ہیں:

”تمہیں یہ سن کر حیرت ہوگی کہ میرے دادا مجوسی تھے۔ میری رگوں میں آگ کو پوجنے والی نسلوں کا خون ہے بلکہ میری رگوں میں آگ ہے۔ اس نے ہنس کر بات ختم کی۔“ ۲۰

جمیلہ آتش پرستی کو آتش عشق سے جوڑتے ہوئے لکھتی ہیں:

”آتش پرستی اس کے خون میں رچی بسی تھی اور یہ آگ وہ نہیں تھی جس کو ہم دیکھتے تھے بلکہ یہ وہ آگ تھی جس کے اندر آتش و آب خاک و باد تھی اور یہ حرارت، حرارت عشق تھی اور اس کی حرکت سے لوٹکتی تھی اور وہ عشق حقیقی کی لو تھی۔ حسین نے اپنی ممکنات پر کب غور کیا تھا یہ اس کے اندر کب در آئی تھی یہ لو دیتا ہوا وجود وہ سارے کا سارا آگ کیوں بن گیا تھا۔“ ۲۱

آگ اچانک بھڑک اٹھتی ہے حسین کی اس کیفیت کا اظہار جمیلہ کچھ یوں کرتی ہیں:

”اس کے دادا نے آگ کی پوجا کی تھی۔ آگ جو دکھائی دیتی ہے، بہکتی ہے، شعلہ بنتی ہے، جلاتی ہے۔ مگر اس کے اندر یہ آتش فروزاں کس کے لیے تھی۔“ ۲۲

آگ کا جلنا زندگی اور حرارت کو ثابت کرتا ہے حسین کی علم و آگاہی کی آگ کا ذکر جمیلہ کچھ یوں کرتی ہیں:

”بھڑکتے ہوئے الاؤ جس کا نشان اس کے ماتھے پر تھا۔ اس نے نشان پر انگلیاں پھیریں، نشان دلربائی جو اسے آگ نے عطا کیا تھا، اسے آگ اگلے ہوئے پہاڑوں کا تصور دلفریب لگتا تھا بہتا ہوا لاوا۔ اسے آگ سے عشق تھا اور اس لیے اپنے اندر جلتی ہوئی ہر جذبے کو بھسم کرتی ہوئی، آتش شوق کو بھی بجھانا نہیں چاہتا تھا۔ کیا کوئی آگ بجھ سکتی ہے۔“ ۲۳

جمیلہ حسین کی شخصیت پر آگ کے اثرات کے حوالے سے ہی لکھتی ہیں:

”یہ عجلت پسندی اور تیزی جو اس کی طبع میں تھی۔ اس کی سرشت اور اس کے خون میں تھی۔ یہ التاب جو اس کی ذات کا حصہ تھا۔ یہ وحدت جو اس کی رگوں میں خون کے ساتھ رواں تھی، یہ اس آتش پرستی کی باقیات تھیں جو اس کے آباء کا مذہب تھا۔ شعلے کی طرح بھڑکنا اور الاؤ کی طرح روشن ہونا۔“ ۲۴

۶۔ انانیت:

جمیلہ ہاشمی نے ”دشتِ سُوس“ میں انانیت کے جذبے کو بھی بخوبی اجاگر کیا ہے۔ ”دشتِ سُوس“ کا حسین اس جذبے کو مختلف حوالوں سے اجاگر کرتا نظر آتا ہے ایک جگہ جمیلہ اس کی زبانی کہتی ہیں:

”جب یہ ساری خدائی بنائی گئی اور انسان کو اشرف المخلوقات سمجھا گیا، ابلیس سے اسے سجدہ کروایا گیا تو پھر یہ سب باتیں آدمی سے پرے کہاں ہیں وہ بحث پر اتر آیا۔“ ۲۵

جمیلہ حسین کی انا اور غرور کے حوالے سے جنید بغدادیؒ کی زبانی کہتی ہیں:

”جنید حسین کی طرف دیکھتے رہے۔ اسے اپنے مجاہدے پر ناز اور اپنی طاقت کا غرہ تھا۔ اسے ابھی قرآن وحدیث کی تعلیم مکمل کرنا تھی۔ اپنی ذات و صفات اور اعمال کو دیکھ کر شاخت کرنا تھا۔ اس کی منزل ابھی دور تھی۔ ایک سپاہی کے غرور کے ساتھ جو اپنی مشقوں اور مشقتوں پر نازاں ہو۔ یہ ناز اس کو کہاں سے ملا تھا، وہ کیوں عاجزی کا راستہ اختیار نہیں کرتا تھا۔“ ۲۶

جمیلہ ایک اور جگہ حسین کی انا اور غرور کے حوالے سے لکھتی ہیں:

”میں کس سے مخاطب ہوں۔ حسین نے حرم کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا کوئی بھی کوئی بھی۔ اس سے غرض نہ رکھو مجھے معلوم ہونا چاہیے۔ حسین نے ضد سے سوال کیا۔ سب کیوں جان لینا چاہتے ہو۔ یہ امانت ہے بہت بڑا بوجھ اس کو اٹھا نہ سکو گے میری طاقت آزما دیکھو۔ حسین کے اندر سے پھر کسی غرور نے زہریلے ناگ کی طرف پھنکار کر کہا۔“ ۲۷

حسین کے ابو یعقوب قطع سے ہونے والے مکالمے سے بھی حسین کی انا اور غرور کا پتہ چلتا ہے:

”ابو یعقوب قطع نے کہا: تم حضرت جنید کو کسی طرح اپنی طرف مائل کرو بہر حال وہی تمہارے مرشد کامل ہو سکتے ہیں۔ مرشد کے بنا سفر میں ٹھوکر لگتی ہے وہ مرشد میں خود ہوں۔ میں اپنے اندر اور باہر سفر کرنے کی سمجھتی جانتا ہوں۔ اس نے اپنے باپ کے روبرو اپنے سر کو جواب دیا۔ یہ تعلیٰ ہے غرور۔ اس سے بچو حسین۔ ہادی کے بغیر کوئی کسی منزل پر نہیں پہنچ سکتا۔

منصور نے اسے سرزنش کی۔

منزلیں خود میری طرف سفر کریں گے پدرمترم! خدا کا ملک تنگ نہیں ہے۔“ ۲۸
 ”دشتِ سوس“ کا حسین اہلیس کی انا وغرور کا بھی قائل نظر آتا ہے۔ جیلہ لکھتی ہیں:
 ”میں اہلیس کا پرستار نہیں، اس کی ہمت کا قائل ہوں مگر سزا اگر مقدر میں ہے تو اس کے
 لیے بھی تیار ہوں۔“ ۲۹

۷۔ خدا اور بندے کا تعلق

خدا کی اپنے بندے سے محبت لازول اور لافانی ہے وہ اپنے بندے سے ستر ماؤں
 سے بھی زیادہ پیار کرتا ہے۔ اس کی غلطیوں اور گناہوں کو معاف کرتا ہے اور اسے تمام
 مخلوقات سے برتر حیثیت دے کر خلیفہ کے منصب پر فائز کرتا ہے۔ ”دشتِ سوس“ میں
 جیلہ ہاشمی نے خدا اور بندے کے اس لافانی تعلق کو یوں بیان کیا ہے:
 ”باب بنی شیبہ کے سامنے ایک شخص خوبصورت لحن میں روز گاتا ہوا گزرتا چلا جاتا۔
 خدا اپنے بندوں کو محبوب رکھتا ہے۔

خدا اپنے بندوں سے محبت کرتا ہے۔“ ۳۰

ایک اور جگہ پر وہ حسین کی زبانی اس تعلق کا اظہار کچھ یوں کرتی ہیں:
 ”حسین نے بہت ہولے کہا۔ آدمی کوشش سے کبھی کسی پر فدا نہیں ہوا۔ آدمی محض اپنی
 کوشش اور طلب سے خدا سے بھی محبت نہیں کر سکتا۔ ہاں اگر خدا اس پر اپنی رحمت کرے۔
 اپنا یہ بہت بڑا راز اس پر آشکار کرے اسے اپنی طرف بلائے۔ اس کے جی میں اپنی چاہت
 جگائے عشق اول در دل معشوق پیدا مے شود۔“ ۳۱

جیلہ خدا اور بندے کے ان مٹ تعلق کے حوالے سے یہ بھی بتاتی ہیں کہ اس تعلق
 کا ادراک انسانی ذہن کے احاطے میں نہیں آ سکتا۔

”سراپردہ اسرار سے پرے کیا ہے؟

وہ کون ہے؟

وہ اپنا اور اس کا رشتہ کبھی سمجھ سکے گا کہ نہیں؟“ ۳۲

۸۔ انسانی نفسیات اور فکری پیچیدگیاں:

حسین کے روحانی مسائل اور فکری پیچیدگیاں بعض مواقع پر اس قدر بڑھ جاتی ہیں کہ عقل انسانی دنگ رہ جاتی ہے ایسے میں حسین ایک پراسرار کردار کے طور پر سامنے آتا ہے۔ حسین کا قرآن کا جواب لکھنا ایک انسان کی فہم و فراست سے بالاتر ہے :

”یہ کیا لکھ رہے ہو؟ قطع نے اس کی طرف دیکھ کر سوال کیا۔ قرآن حکیم کا جواب حسین نے سر اٹھائے بنا جواب دیا۔“ ۳۳

حسین کا یہ عقیدہ تھا کہ اگر کوئی شخص حج کا ارادہ رکھتا ہو لیکن قدرت نہ رکھتا ہو تو اپنے گھر کے مربع کمرے کو پاک صاف کر کے ایام حج میں مناسک ادا کرے۔ تیس یتیموں کو کھانا کھلائے اس کے بعد ہاتھ دھو تین یا سات درہم خیرات کرے تو اس کا یہ عمل حج کے برابر ہوگا۔

نصر قشوری کے حج کرنے کے ارادے پر حسین کا عجیب و غریب جواب کہ جس میں خود کا طواف کرنے کا کہنا نیز توحید کے بارے میں حسین کے خیالات بھی اس کے روحانی مسائل اور فکری پیچیدگیوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

”نصر قشوری نے جب اجازت چاہی کہ وہ اس سال امیر حج بنا کر حرم کعبہ جا رہا ہے تو حسین نے ہنس کر کہا۔ تم میرا طواف کرلو۔ سات بار میرے گرد چکر لگا لو۔“ ۳۴

دھت سُوس کے حسین کی روحانی پیچیدگی کی مثال:

”اگر میں خلق ہو کر میں کہوں اور وہ بھی میں کہے تو یہ میری توحید ہوئی وہ میری توحید اور مجھ سے منزه ہے۔ اگر توحید اس کی طرف لوٹ جاتی ہے میں کہتا ہوں اسے واحد کی طرف لوٹنا ہے۔“ ۳۵

دھت سُوس کا حسین بن منصور ناول میں کئی معاشرتی مسائل اور فکری پیچیدگیوں کا شکار نظر آتا ہے۔

حسین بن منصور حلاج اپنے مراقبات، گوشہ نشینی، عبادات میں خشوع و خضوع،

دوسروں کی حاجت روائی کے سلسلے میں مستعدی اور خلوص، نفس کشی اور مجاہدات کی بدولت اپنے سماج کے دیگر انسانوں کے مقابلے میں انتہائی برتر حیثیت پر فائز ہو چکا تھا۔ وہ خود سے بیگانہ ہو کر ایسے کلمات ادا کرتا تھا کہ جو عوام کی سوچ و فکر سے ماورا تھی۔ وہ ان فکری مسائل کی وجہ سے معاشرے کے لیے ناقابل قبول صوفی اور باغی فلسفی بن چکا تھا:

”جب تم مجھے دیکھتے ہو تو گویا اُسے دیکھتے ہو“۔ ۳۶

”ابلیس اور محمد ﷺ کے سوا اور کسی کا خاص مقام نہیں“۔ ۳۷

حسین تلاش حق کے ساتھ ساتھ تلاش خود کے فلسفے کا بھی پرچار کرتا نظر آتا ہے وہ اپنی ذات کے نہال خانوں میں جھانک کر کائنات کے رازوں سے آگاہی حاصل کرنے کے لیے حق سے مدد کا طلب گار بھی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان جس قدر غور و فکر کر لے گوہر مراد اس وقت تک ہاتھ نہیں آ سکتا جب تک کہ اس میں قدرت کی منشا اور رضا شامل نہ ہو۔ یہ خالصتاً حق کے سامنے اپنے آپ کو ایک عاجز اور حقیر شخص بنا کر پیش کرنا ہے۔ حسین کے نزدیک یہ توفیق اور عطا ہے کہ ایک عام انسان اس ذات برحق کا شعور حاصل کر لے یوں حسین کے نزدیک خود سپردگی اور حق کے سامنے سر تسلیم خم کر کے ہی اس کے لطف و کرم سے فیض یاب ہوا جاسکتا ہے۔ حسین کو اس بات کا ادراک نہیں ہو سکا تھا کہ جو توفیق اور عطا اُسے نصیب ہوئی تھی وہ کسی عام انسان کا خاصہ نہیں ہو سکتی۔ روحانیت کے اس سفر میں اس جیسے چنیدہ شخص کے ذہن میں جو سوالات ابھرتے تھے ان تک رسائی عام انسان کے لیے مشکل ہی نہیں ناممکن ہے:

”مگر وہ خود کون ہے؟ اسے خود سے بہت خوف آیا۔ وہ کیا تھا؟ پہلے اسے اس کی تلاش تھی

اور اب وہ اپنی ہی تلاش میں تھا۔ اگر میں وہ ہوں کیا۔ کیا؟ سفاکی سوالوں سے بچنے کے

لیے وہ نوافل میں مشغول ہو گیا تھا۔ اے راز کائنات مجھ پر عیاں ہو۔ اے حقیقت مجھ پر

آشکار ہو۔ سچ کیا ہے ظاہر اور باطن؟ حسین نے اپنے نفس سے کہا ابھی ٹھہر، عجلت کی

اجازت نہیں۔ سوال اور وقت کا انتظار کھینچ“۔ ۳۸

دشمنِ سوس کا حسین بن منصور حلاج ناول میں کئی معاشرتی مسائل اور فکری

پچیدگیوں کا شکار نظر آتا ہے شاید ایسے صوفی کے لیے ہی کہا گیا ہے کہ بھلے وہ روحانیت کی عظیم ترین سطح پر فائز کیوں نہ ہو معاشرتی حوالوں سے کئی مسائل کا شکار ہو جاتا ہے۔

حوالہ جات

- ۱۔ جمیلہ ہاشمی، ”دھت سُوس: حسین بن منصور حلاج۔ ایک غنائیہ“ (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز: ۲۰۱۰ء) ص ۱۹۴
- ۲۔ ایضاً: ص ۹۴
- ۳۔ ایضاً: ص ۱۸۹
- ۴۔ ایضاً: ص ۴۶
- ۵۔ نعیم مظہر، ڈاکٹر/فوزیہ اسلم، ڈاکٹر، ”اردو ناول: تفہیم و تنقید“ (اسلام آباد، ادارہ فروغ قومی زبان۔ مقتدرہ، ۲۰۱۲ء) ص ۴۵
- ۶۔ صلاح الدین درویش، ڈاکٹر: ”انسان دوستی: نظریہ اور تحریک“، (اسلام آباد، پورب اکادمی، ۲۰۰۷ء) ص ۱۰۲
- ۷۔ جمیلہ ہاشمی، ”دھت سُوس: حسین بن منصور حلاج۔ ایک غنائیہ“ ص ۳۱۳
- ۸۔ ایضاً: ص ۳۴۲
- ۹۔ ایضاً: ص ۱۹۸
- ۱۰۔ ایضاً: ص ۱۸
- ۱۱۔ ایضاً: ص ۱۶۵
- ۱۲۔ ایضاً: ص ۱۸۸
- ۱۳۔ ایضاً: ص ۱۲۷
- ۱۴۔ ایضاً: ص ۱۱۴
- ۱۵۔ ایضاً: ص ۲۳۹
- ۱۶۔ ایضاً: ص ۱۵۷
- ۱۷۔ ایضاً: ص ۲۲۸
- ۱۸۔ ایضاً: ص ۹۵
- ۱۹۔ ایضاً: ص ۱۵۵

- ۲۰۔ ایضاً
۲۱۔ ایضاً: ص ۱۵۰
۲۲۔ ایضاً: ص ۷۴
۲۳۔ ایضاً: ص ۱۱۹
۲۴۔ ایضاً: ص ۳۱۰
۲۵۔ ایضاً: ص ۱۷۶
۲۶۔ ایضاً: ص ۱۷۷
۲۷۔ ایضاً: ص ۲۳۰
۲۸۔ ایضاً: ص ۲۴۲
۲۹۔ ایضاً: ص ۳۸۹
۳۰۔ ایضاً: ص ۱۹۳
۳۱۔ ایضاً: ص ۱۱۷
۳۲۔ ایضاً: ص ۲۵۴
۳۳۔ ایضاً: ص ۳۲۵
۳۴۔ ایضاً: ص ۳۹۲-۳۹۳
۳۵۔ ایضاً: ص ۳۹۳
۳۶۔ ایضاً: ص ۳۶۹
۳۷۔ ایضاً: ص ۳۷۸
۳۸۔ ایضاً: ص ۹۴